ناولٹ

ثمرہ بخاری

ہم سے ہے زمانہ

آج جوادی اور شبلی اسکول سے بے حد خراب موڈ کے ساتھ آئے تھے دونوں اکٹھے شبلی کے گھر میں داخل ہوئے لیکن رخ اس کے کمرے کی طرف نہیں بلکہ دادی کے کمرے کی جانب تھا۔

دادی ابھی ابھی ٹی وی پر ایک سیڈ سیریل دیکھ کر قہقہے لگاتے اور اس کے رائٹر کو جی بھر کے الو گدھا کہنے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تھیں اور اب ملازمہ کو اس نالائق رائٹر کے کارنامے سنا رہی تھیں۔

"لو بھلا بتاؤ' یہ کوئی بات ہے بھلا۔ ایک قسط میں لڑکی کو طلاق ہوتی ہے' اگلی قسط میں دکھایا جاتا ہے' وہ نگوڑی خواب دیکھ رہی تھی' طلاق ولاق کچھ نہیں ہوئی۔ ایک قسط میں ایکسیڈنٹ میں لڑکا مر جاتا ہے' اگلی قسط میں پھر دندناتا پھرتا ہے۔"

ابھی ابھی یہیں تک پہنچی تھیں کہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے' بغیر دعا سلام کے دھپ سے بیڈ پر آگرے۔

"ارے تمہیں کیا ہوا؟ تمیز ادب سب بھولتے جا رہے ہو گھر یا در کھو دادی بھی بے مہار چھوڑنے والی نہیں ہے۔ چلو ابھی چلو دروازے کے قریب کھڑے ہو کر کہو دادی السلام علیکم اور دعائیں لو میری۔"

"ایسے ہی دے دیں دعائیں' دیتے کون سا خرچ آتا ہے۔" جوادی نے لاپروائی سے کہا۔

"ارے قدر کرو ان دعاؤں کی' کل کو ہم نہیں ہوں گے تو ترسو گے۔"

"آج جتنی بددعائیں ہمیں ملی ہیں نا اس کے بعد کل کا سورج دیکھنے کی امید کسے ہے۔" شبلی نے ہاتھ اٹھا کر غصے سے بتایا۔

"ہیں کس نے کام کو دو ہر کسی کے معاملے میں۔" دادی لہک کر بولی تھیں۔

"سارا قصور آپ کے منے بھائی' نانا ماموں کا ہے۔ چلے ہیں اسکول میں فنکشن ارینج کرنے' پچاس روپے انٹری ٹکٹ کے رکھے ہیں' اس پر بچے کو زبردستی پانچ پانچ ٹکٹ لینے اور پیسے وصولنے کی ذمہ داری ہم نازک جانوں کو سونپ دی ہے۔ ہائے کیا بتائیں دادی! آج

بچوں کی ماؤں نے آ کر کیا کیا باتیں سنائی ہیں ہمیں۔ نانا ماموں تو اپنا شان دار آفس بند کر کے بیٹھے اونگھتے رہے اور ہم...“

جوادی کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

”تمہارے اسکول کی استانیاں کہاں مر گئی تھیں۔ بلانا تھا نا‘ بدتمیز ماؤں کے دانت کھٹے کرنے کو۔“

”ارے وہ کیوں دیتیں بھلا ہمارا ساتھ‘ نانا ماموں نے اس ماہ انہیں تنخواہوں سے محروم رکھا ہے۔ اکاؤنٹ کا شعبہ ہم بدنصیبوں کے پاس ہے‘ چنانچہ ادھر سے بری بھلی بھی انہیں ہی سننا پڑتی ہیں۔ بس کہہ دیا‘ آج سے یہ ٹکٹ کی فروخت والا کھیل ہم نہیں کھیل رہے۔“

”ارے بے خوامخواہ ذرا طریقے سلیقے سے کام کرو تو ہو جائے گا۔“

”اب کیا ٹکٹ استری کر کے پھر ہینگ کر کے پکڑائیں‘ طریقہ سلیقہ۔ ہونہہ!“ شبلی نے چڑ کر کہا تھا۔

”چل غصہ تھوک‘ آج تیری ماں نے کوفتے بنائے ہیں۔ دونوں بھائی منہ ہاتھ دھو لو پھر کھانا کھاتے ہیں۔“ دادی نے چمکارا تھا۔

ایسے موقع کبھی کبھار آتے تھے‘ شبلی اس لاڈ کے زیر اثر ٹھنک کر ان کے قریب بستر پر دراز ہو گیا۔

”چل ایک تو گدھے کی طرح اڑیل بڑا ہے۔ پیار کی زبان تیرے پہ الٹا اثر کرتی ہے۔“

”دادی! آج آپ کو نانا ماموں سے اس ظلم کا حساب لینا ہے‘ ورنہ قیامت کے دن نانا ماموں کا گریبان ہوگا اور ہمارے ہاتھ۔“ جوادی نے دھمکایا۔

”ارے جو کچھ نانا ماموں دنیا کے ساتھ کر رہے ہیں‘ مجھے لگتا ہے دنیا والوں نے ادھر ہی ان کا گریبان چاک کر دینا ہے۔ ادھر وہ بغیر گریبان کے ہی منہ چھپائے گھوم رہے ہوں گے۔“

”دفع دور۔ حیا کر کچھ۔“ دادی نے شبلی کی پیش گوئی سنی تو دہل کر ایک ہاتھ جڑ دیا۔

”اس سے زیادہ وزنی چھتریں پڑیں گی‘ روز حشر معصوموں کو ستانے والے کو۔“

”مر نہ کھاؤ میرا‘ چلو نکل جاؤ۔ منہ دھونا ہے تو دھوؤ۔ نہیں تو ایسے ہی روٹی کھاؤ اور نکل جاؤ محلے کے دورے پر۔“ دادی کا موڈ غارت ہو گیا تھا۔

”کیوں گھر بیٹھے اچھے نہیں لگتے۔ بھلا آپ کو کون سے دکھ دیے ہیں ہم نے جو گھر سے نکالنے کے درپے رہتی ہیں۔“

”شمو... او ہو۔“ دادی‘ شبلی کی امی کو پکارنے لگیں۔

”جی اماں! کھانا تیار ہے۔ آخری پھلکا توے سے اتار رہی ہوں۔“ کچن سے ہی جواب آیا۔

”آئے ہائے تو کیوں کھڑی ہو گئی روٹیاں ڈالنے‘ یہ شیداں کام چور کیا میں نے ڈیکوریشن پیس کے طور پر رکھی ہے۔“

پھر تاسف سے شبلی کو دیکھا۔ اور بولیں۔

”اللہ! ایسی بے حس اولاد دشمن کو بھی نہ دے۔ اب کیا روٹیاں میں ڈالا کروں۔ تو کسی قابل ہو جاتو میں تیری شادی کروں تاکہ میری بچی کو بھی کچھ آرام ملے۔“

”میں کس قابل نہیں ہوں‘ یہ بتائیں۔“ وہ سینہ پھلا کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”جاجا‘ مجھے یہ مسخریاں اچھی نہیں لگتیں اور سن‘ شام کو تیرے ساتھ بازار چلنا ہے مجھے۔“

”بازار میں کیا مزہ آئے گا‘ پارک میں چلتے ہیں پھر رات کا کھانا کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھا کر واپس آجائیں گے۔“

”وے بے غیرت! مجھے اپنی نئی عینک بنوانی ہے۔ فریم پسند کروں گی۔“

جوادی اس عرصے میں اٹھ کر کچن میں چلا گیا۔ اپنا اور شبلی کا کھانا چچی سے نکلوا کر ابھی کچن سے نکل رہا تھا کہ محلے کے ایک بچے نے انٹری دی۔

”جوادی بھائی... ! شکیل کی امی آپ کو بلا رہی ہیں۔“

”وے جوادی! کون آیا ہے؟“ دادی نے کمرے میں بیٹھے ہی بچے کی آواز سن لی تھی۔

”کوئی نہیں دادی! وہ ہمسائے کی مرغی غلطی سے ہمارے گھر آ رہی تھی اور اب گھبرا کر چلا رہی تھی۔“

”آئے ہائے‘ ادھر کس ہمسائے نے مرغیاں پال لیں؟“ دادی کو حیرت ہوئی۔ شبلی بھی ان کے کمرے سے نکل آیا اور جوادی کے ساتھ اپنے کمرے میں آگیا۔

☼ ☼ ☼

جس وقت شکیل کے ہاں پہنچے‘ دادا سیٹھ قیلولہ فرما رہے تھے۔ خراٹوں کی آواز لاؤنج میں بھی موسیقی بکھیر رہی تھی۔

”بالکل طبلے والی جھلک ہے۔“ جوادی نے تبصرہ کیا۔

”نہیں‘ مجھے تو لگتا ہے جیسے شیر بانسری بجا رہا ہے۔“ شکیل نے متاثر ہو کر کہا۔

شکیل نے شیر اور بانسری کا تصور کیا پھر زور سے ہنس پڑا۔

”وہ اصل میں آج ابا جی نے پائے کھائے ہیں نا! تو...“ خالہ ستارن نے عجیب سی وضاحت پیش کی تو شبلی بولا۔

”کیا ہڈی گلے میں پھنس گئی ہے۔ اس میں سے گزر کر آ رہی ہے اس لیے اتنا شور ہے۔“

”وے پتہ نہیں تم فضول باتوں پر اتنا غور کیوں کرتے ہو‘ میں نے بلایا تھا کہ میری شکیلہ کے سسرال والے دن رکھنے آ رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں کچھ مشورے کرنے تھے۔ پہلی بیٹی بیاہ رہی ہوں‘ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”پھر تو آپ نے ٹھیک تجربہ کار لوگوں کو بلایا ہے۔ ہم دونوں تو خدا کے فضل سے تین تین بیٹیاں بیاہ چکے ہیں۔ چوتھی کی تیاری ہے۔“ شکیل پھر منہ پھاڑ کر ہنسنے لگا تو خالہ نے اٹھ کر بڑی سنجیدگی سے گدی پر دو طمانچے جڑ دیے۔ ہنسی کو وہیں بریک لگ گئی۔

”اب بتاؤ‘ ایسے موقع پر ادھر سے آنے والی دولہا کی ہر رشتہ دار عورت کو جوڑا دوں یا صرف دولہا کی اماں کو دینا ہی کافی ہوگا۔“

”اگر اتنے فالتو جوڑے ہیں آپ کے پاس تو ہمیں دیں‘ ہم اتوار بازار میں اسٹال لگا لیتے ہیں۔“ جوادی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”مجھے پتا ہے تم ان رسموں کے خلاف ہو‘ پر بیٹی کا معاملہ ہے۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔“

”میرا نہیں خیال جوڑے دینے سے لڑکی کو سسرال میں زیادہ عزت مل جائے گی‘ بلکہ آج سب کو جوڑے ڈالیں گی۔ شادی پر ساری چنڈالیں سونے کے زیور کی توقع کریں گی۔ میں تو کہتا ہوں دفع کرو اور دن رکھنے پہ خاندان بھر کی نکمیاں کیوں جمع ہو رہی ہیں۔ دو چار بزرگ آجائیں ادھر سے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔“

”آہو... ہمارے زمانے میں تو ایسا ہی ہوتا تھا‘ پر اب نئے زمانے کے نئے رواج۔ پورے چالیس رشتہ دار آ رہے ہیں۔ ان کے مرد تو ایک دو ہی ہوں گے بس شوخی زنانیاں اکٹھی ہو کر آ رہی ہیں۔“

”تو بس پھر ان سب کے ساتھ شوخی کرنا ہی بہتر ہے۔ شکیل کھانے میں جمال گوٹہ ملا دے گا۔“

”وے چپ کرو۔“ خالہ ستارن کو ہنسی آ گئی پھر سنبھل کر بولیں۔

”الٹی مت نہ دو‘ کوئی کام کا مشورہ دو۔ ابا جی تو کہہ رہے ہیں‘ صاف کہہ دو اتنے کھڑاک کی ضرورت نہیں۔ بس فون پر تاریخ پکی کر لیتے ہیں۔“

”دادا سیٹھ کو یاد دلایئے کہ وہ امریکہ میں اور لڑکے والے نیپال میں نہیں بیٹھے‘ دونوں اللہ کے فضل سے ایک شہر میں جلوہ افروز ہیں۔ آنے جانے کے راستے بند نہ کریں۔“

”تمہیں تو پتہ ہی ہے ابا جی پر کبھی کبھی کنجوسی کے دورے پڑتے ہیں۔ تم بتاؤ پھر کیا کروں؟“

”سب سے پہلے تو یہ کریں کہ ان کے ہاں کہلا بھیجیں۔ ہمارے یہاں رواج ہے۔ لڑکے والے جب دن رکھنے آتے ہیں تو لڑکی کی بہنوں اور سہیلیوں کے لیے جوڑے اور تحائف لاتے ہیں‘ باقی پروگرام ان کا جواب آنے کے بعد بتائیں گے۔“

"اچھا! یہ بھی ٹھیک ہے۔ جس دن وہ لوگ دن رکھنے آئیں گے نا تب تو ضرور آنا ہے۔"

"فکر ہی نا کرو جی، ہمیں پتا ہے ایسے موقعوں پر ہماری موجودگی ناگزیر ہے۔" دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

ابھی ان کی گلی میں تھے کہ شبلی کا موبائل بجنے لگا۔ دیکھا، نمبر زیبا کے گھر کا تھا۔ جھٹ کان سے لگایا لیکن جو خبر سنی کوئی پریشان ہو گیا۔ زیبا کی بہن بتا رہی تھی۔

"باجی کی طبیعت خراب ہے، امی اور چھوٹا کاشی انہیں ہسپتال لے کر گئے ہیں۔ ڈاکٹر نے ایڈمٹ کر لیا ہے۔"

ساری بات جوادی کو بتائی پھر گھر آئے تو یہاں اطلاع پہلے ہی آ چکی تھی۔ دادی بے حد پریشان ان کی راہ دیکھتی صحن میں چکر کاٹ رہی تھیں۔ دیکھا تو برس پڑیں۔

"نکلے رہا کرو سیر سپاٹوں پر۔ ادھر وہ غریب چھوٹے سے بچے کاشی اور جوان بیمار لڑکی کے ساتھ پتہ نہیں کہاں کہاں خوار ہو رہی ہو گی۔"

"ہم جا رہے ہیں دادی!" اس نے کمرے میں جا کر موٹر سائیکل کی چابی اٹھائی۔

"یہ کچھ پیسے رکھ لو، ضرورت پڑ سکتی ہے۔" دادی نے ہزار کے کچھ نوٹ جوادی کو پکڑائے دونوں گھر سے نکل آئے۔

زیبا کی امی آنٹی ذکیہ سے رابطہ کیا۔ پتہ چلا ان کے علاقے کے قریب ایک سرکاری ہسپتال میں زیبا ایڈمٹ ہے، بخار ہو رہا ہے اسے۔

"ایکسکیوز می۔ مس زیبا کون سے وارڈ میں ہیں؟" شبلی نے قریب سے گزرتی ہوئی موٹی سی نرس سے سوال کیا۔

"مس زیبا۔" اس نے ناک پر انگلی رکھ کر نام پر زور دیا پھر اثبات میں سر ہلایا۔ "نام سے تو لڑکی لگ رہی ہے تو ظاہر ہے مردانہ وارڈ میں نہیں ہو سکتی۔" قہقہہ مارا اور آگے بڑھنے لگی۔

"جی خواتین کا وارڈ کدھر ہے؟"

"میں ادھر ہی جا رہی ہوں، آ جاؤ میرے ساتھ۔ ویسے تم زیبا کے کیا لگتے ہو، کہیں تمہارا نام محمد علی تو نہیں ہے۔ جب میں چھوٹی ہوتی تھی محمد علی زیبا کی فلمیں اسکول سے بھاگ کر دیکھا کرتی تھی۔"

دونوں نے اس کی بکواس پر دھیان نہیں دیا۔ وارڈ سے باہر آنٹی سے ملاقات ہوئی۔ بتا رہی تھیں، زیبا کی حالت کچھ سنبھلی ہے۔

"بس بیٹا! کیا کرتی گھر میں کوئی مرد تو ہے نہیں اس کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی گھبرا کر میں نے خالہ جی کو فون کر دیا اور یہ ان کی محبت ہے کہ فورا" کہا۔ "شبلی، جوادی کو فون کرو۔"

"تمہاری محبت بھی دیکھیں نا فورا" چلے آئے۔" جوادی نے آہستگی سے کہا۔

"بس جی اسٹاپ۔ آگے نہیں جا سکتے، یہ عورتوں کا وارڈ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے سختی سے ہدایت ہے، مرد منہ اٹھا کر اندر مت گھسیں۔" اسٹاف نرس تن کر دروازے پر کھڑی ہو گئی۔

"خالہ! پرائیویٹ کمرہ لے لیتے ہیں۔"

شبلی نے وارڈ کی حالت پر نظر ڈالی اور خالہ ذکیہ سے کہنے لگا۔ وہ خاموش رہیں، ان کی ہچکچاہٹ سے کچھ گیا اور جوادی کو۔ ان کے پاس کھڑا کر کے چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

زیبا کے لیے پرائیویٹ روم کا بندوبست ہو چکا تھا اور اسے ادھر شفٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ ہوش میں تھی لیکن نقاہت بہت زیادہ تھی۔ آنکھیں بند کر کے لیٹی تھی، خالہ ذکیہ پریشان صورت بنائے بیٹی کو تک رہی تھیں۔

"مریضہ کو تھوڑا بہت کھلاؤ پلاؤ، دوائی دینی ہے میں نے۔"

وہی اسٹاف نرس کمرے میں جھانک کر بولی تھی پھر ان دونوں کو موجود پایا تو اندر آ گئی۔

"ویسے یہ روم لے کر بڑا اچھا کیا جی آپ نے۔ کیسی ملوک کڑی ہے۔ ادھر بھلا رہ سکتی تھی۔ ویسے کسی زمانے میں، میں بھی بڑی ملوک سی ہوا کرتی تھی۔ نام تو میرا زرینہ کوثر تسنیم ہے، پر لوگ مجھے نازک پری کہا کرتے تھے۔"

"کون لوگ تھے وہ؟" جوادی نے حیرت سے دریافت کیا۔

"وہ بیٹھیں گے، کسی دن چائے پئیں گے ایک ساتھ پھر بتاؤں گی کون لوگ تھے۔ اب اس وقت تو ڈیوٹی پر ہوں اور مرن جوگیاں نرساں۔ فورا" شکایت لگا دیتی ہیں۔ ویسے تم لوگوں نے ابھی تک نام نہیں بتائے اپنے۔"

"پیار سے جو بھی کہیں ہمیں قبول ہے۔" شبلی کی بات پر آنکھیں بند کر کے بیڈ پر پڑی زیبا نے آنکھیں نیم وا کی تھیں لیکن شبلی اس وقت زرینہ کوثر تسنیم کی جانب متوجہ تھا۔

"اچھا جی!" محترمہ نے خوف ناک قہقہہ لگایا پھر بولی۔ "اس کا مطلب ہے بہت نام ہیں تمہارے کہ تم سے پیار کرنے والیاں تو قدم قدم پر ہوں گی۔" ایک اور مردانہ وار قہقہہ لگا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ماشاء اللہ ماحول تو بڑا خوشگوار ہے ادھر کا۔" جوادی کا اشارہ مس زرینہ کی جانب تھا۔

خالہ ذکیہ بولیں۔ "صبح سے مریضوں کے ساتھ بدتمیزی کر رہی ہے، اب تم لوگوں کو دیکھ کر اور کچھ یہ پرائیویٹ روم کی برکت نے اس کا موڈ بدل دیا ہے۔"

"امی! ان سے کہہ دیں، زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں۔" اتنی بیماری کے باوجود زیبا کا پورا دھیان ان کی جانب تھا۔

"بھئی رشتے دار ہیں تمہارے، تیمارداری کو آئے ہیں۔ اس میں قابل گرفت بات کون سی ہے؟" شبلی نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"جو میں کہہ رہی ہوں، اچھی طرح سمجھ رہے ہو۔"

"ارے زیبا! بجی شکریہ ادا کرو ان کا۔ بڑا ساتھ دیا ہے انہوں نے میرا۔" خالہ نے بیٹی کو سمجھایا۔

"شکریہ کی کوئی بات ہی نہیں خالہ! آپ تکلیف

میں ہوں تو بھلا میں چین سے بیٹھ سکتا ہوں۔" شبلی نے زیبا کو نظر میں رکھ کر بظاہر خالہ سے کہا تھا۔

"جیتے رہو' بڑا آسرا ہے مجھے خالہ جی اور تم لوگوں کا۔"

"خالہ! چلیے میرے ساتھ' آپ کو کھانا کھلا لاتا ہوں۔ مجھے پتہ ہے آپ نے کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ یہ شبلی ہے زیبا کے پاس' آیئے میرے ساتھ۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے' بس تھوڑی دیر تک گھر سے طوبیٰ اور کاشی آجائیں گے پھر میں گھر چلی جاؤں گی۔ وہ رہیں گے زیبا کے پاس۔" انہوں نے اپنے چھوٹے بچوں کے نام لیے۔

"ارے کاشی تو صبح بھی آپ کی ساتھ ادھر خوار ہوتا رہا ہے۔ آرام کرنے دیں اسے اور طوبیٰ بے چاری بھی اسپتال کے ماحول میں پریشان ہوگی' انہیں رہنے دیں۔ یہ جوادی آپ کو بھی گھر چھوڑ آتا ہے۔ ہم۔ میں زیبا کے کمرے کے باہر کرسی ڈال کر بیٹھ جاتا ہوں جیسے ہی یہ کسی کام سے پکارے گی "فوراً" حاضر ہو جاؤں گا۔"

جوش سے کہتے کہتے اسے خیال آگیا تھا' خالہ جوان جہان حسین لڑکی کے پاس اسے اکیلا تو ہرگز نہیں چھوڑیں گی۔

"امی! آپ جائیں' طوبیٰ کو بھیج دیں۔" زیبا نے نقاہت زدہ آواز میں کہا۔

"کمال ہے چھوٹی بہن کا احساس ہی نہیں۔" شبلی نے دھیرے سے کہا۔

"اچھا شبلی ابھی تو خالہ کو گھر لے کر چلتا ہوں' جب تک طوبیٰ اور کاشی نہیں آجاتے' تم خیال رکھنا۔" انداز معنی خیز تھا۔

"ہاں ہاں' جلدی جاؤ۔ خالہ گھر جا کر زیبا کے لیے کوئی ہلکی پھلکی سی چیز بنا کر بھیج دینا' جوادی لے کر ہی واپس آئے گا۔"

"اچھا چلو' ٹھیک ہے۔ زیبا بیٹی تم سونے کی کوشش کرو' شکر ہے اللہ کا اب تو بخار کم ہے۔ شبلی بیٹا! تم یہ کرسی دروازے کے باہر رکھ کر بیٹھ جاؤ۔" وہ جاتے جاتے ہدایت کر رہی تھیں۔ اس نے جھٹ عمل کیا اور کرسی باہر لے آیا لیکن جونہی وہ جوادی کے ساتھ نکلیں شبلی پھر کمرے میں تھا۔

"کچھ کھانے کو دل تو نہیں کر رہا خدانخواستہ۔ اصل میں یہاں ریٹ بہت ہوتے ہیں نا!" مسکرا کر وضاحت کی۔ زیبا کے سر میں درد تھا جواب نہیں دیا۔

"ویسے گھبراؤ نہیں میں نے سنا ہے جب آدمی زیادہ گناہ کر لیتا ہے تو پھر اللہ اسے دنیا میں سزا دینے کے لیے بخار میں جلا کر دیتا ہے۔"

"شبلی! میں سونا چاہتی ہوں۔"

"کمال ہے ایسا سنہری موقع قدرت نے مہیا کیا ہے اور تم بے وقوف خرگوش کی طرح سو کر یہ موقع گنوانا چاہتی ہو۔"

"شبلی! مجھے انجکشن سے بہت خوف آتا ہے اور یہ لوگ تو بس انجکشن پر انجکشن لگائے چلے جاتے ہیں' انہیں کہو۔ مجھے کیپسول اور ٹیبلٹ دے دیں انجکشن مت لگائیں۔"

"پھر چلتے ہیں کسی لنگوٹی کسے بیٹھے بابے کے پاس بس دو پھونکوں میں کام تمام۔ میرا مطلب ہے بخار کا کام تمام ہو گا۔"

"ہیلو جی!" زرینہ کوثر تسنیم نے جھانکا' انہیں اکیلے پایا تو معنی خیز انداز میں آنکھیں مٹکائیں۔

"او ہو ہو! ہمارے اسپتال کا تو ماحول ہی بدل گیا ہے' ویسے وہ خالہ جی اور دوسرا منڈا کدھر نکل گئے ہیں۔ اب تو مریضہ کے چہرے پر لالیاں بکھر رہی ہیں۔ لگتا ہے بخار وخار سب بھاگ گیا۔ ناں ویسے کیا نام ہے تمہارا؟ عورتوں کے وارڈ میں بطور علاج تمہیں ہی نہ بھیج دوں۔"

مردانہ وار قہقہہ اور ساتھ ہی شبلی کے کاندھے پر زور کا ہاتھ۔ زیبا تو تلملا کر رہ گئی۔

"لگتا ہے کڑی کو اعتراض ہے میری بات پر۔" وہ ایک کائیاں تھی۔

"کڑی کے اعتراض کو گولی مارو' بس تمہارے سنپولیے ڈاکٹروں کو اعتراض نہ ہو' وہ تو یہی چاہتے ہیں نا آدھا شہر بیمار پڑا رہے۔"

"او ہو جی! بڑا ہی ظالم پیشہ ہے۔ جی ہم نرسوں کا دم نہ ہوتا تو یہاں کوئی مریضوں کے اتھرو پونچھنے والا بھی نہیں ہوتا۔"

"آپ تو مجھے بہت ہی حساس دل کی مالک لگتی ہیں؟"

"اوئے۔ آپ ہی وہ پہلے بندے ہیں جنہوں نے زرینہ کوثر تسنیم کے دل کو پہچانا ہے ورنہ سارا اسپتال مجھے چلاکو جاوو گرنی تو کبھی جن کی بچی وغیرہ کہتا ہے۔ سچ بتاؤں بڑی دکھی ہوں میں۔" اس نے زیبا کو دوا کھلاتے ہوئے کہا۔

"کیا اپنے ناپ کا یونیفارم نہیں ملتا؟"

شبلی نے صحت مند سراپے پر چوٹ کی جواب میں پھر شانے پر اک ہاتھ پڑا ہنسی پھر بولی۔

"صحت مند سراپے پر نہ جاؤ' دل بڑا چھوٹا سا ہے میرا اور اس میں دکھ ہی دکھ بھرے ہیں۔ ویسے کیا نام ہے تمہارا؟ ابھی تک بتایا نہیں ہے تم نے۔"

"ناموں میں کیا رکھا ہے۔"

"ناں یہ کیا بات ہوئی بھلا' ناموں میں بڑا کچھ رکھا ہے بلکہ سب کچھ رکھا ہے۔ اب اگر ایک بندہ مجھے نازک پری کہہ کر بلائے دوسرا جن کی بچی تو مجھے کس کے لیے موڈ خراب کرنا چاہیے۔"

"نازک پری کہنے والے کے لیے۔" شبلی نے جھٹ کہا۔

"ایں!" اس نے حیرت سے دیکھا۔

"ہاں بھئی' جھوٹ جو بول رہا ہو گا' جھوٹے بندے کو کوئی رعایت نہیں دینی چاہیے۔"

"ناں تمہیں میں جن کی بچی دکھائی دیتی ہوں۔" خفگی دکھائی۔

"ہو سکتا ہے یہ میری نظر کا دھوکا ہو۔" شبلی نے تسلی دی' تردید نہیں کی۔

"ہو جی کڑی تو سو گئی' اصل میں دواؤں میں اثر ہوتا ہے نا!"

"کیسا اثر؟"

"کوئی ہو گھبراؤ تو نہیں۔ نیند آجاتی ہے انہیں کھا کر۔ چلو چائے پینے چلتے ہیں۔ اچھا نہ دینا پیسے' میں دے دوں گی۔"

"تمہاری ساری تنخواہ تو چائے پر ہی اٹھ جاتی ہوگی۔" شبلی نے چوٹ کی۔

"ایسی ویسی نہ سمجھو' بس تمہیں اپنی دکھ اور داستان سنانے کو جی چاہا تھا' اسی لیے سوچا' کچھ دیر تمہارے ساتھ بیٹھوں' ورنہ میں کب کسی کو لفٹ کراتی ہوں۔"

"میں اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا' یہیں پلا دو۔"

"تو اسپتال سے کیا کوئی اچک کے لے جائے گا۔ کمال ہے تم تو ایسے نگرانی کر رہے ہو جیسے یہ ننھی بچی ہے۔"

"مریض ہے بھئی۔"

"کچھ نہیں ہوتا' دوائی دے دی ہے میں نے۔"

شبلی نے کچھ سوچا پھر اس کے ساتھ ہو لیا۔

کچھ دیر کے بعد وہ ہسپتال کی کینٹین میں موجود تھے۔

"کیا کدھر سے شروع کروں' بس جی یہ زرینہ کوثر تسنیم تو دنیا میں آئی ہی دکھ سہنے کے لیے ہے۔ چھوٹی سی تھی کہ ماں گھر سے بھاگ گئی۔"

"کیلی؟" شبلی نے پوچھا۔

"نہیں' میرے ابے کے ساتھ۔ او ہاں' کیا مطلب ہے اکیلی۔"

"میرا مطلب ہے تمہیں ساتھ لے کر نہیں گئی۔ اسے اپنے عاشق سے اس سلسلے میں پہلے ہی بات کر لینی چاہیے تھی۔"

"چھ بچوں کی ماں تھی وہ' کوئی میں اکیلی تو نہیں تھی جو اس سے بات کر لیتی۔"

"او چھ بچے۔ تو اس عاشق نے تمہاری ماں کو بھگانے کا فیصلہ ہی کیوں کیا۔ کیا اس شہر میں کنواریوں یا کم بچے والیوں کی کمی تھی؟"

"دفع کرو اسے' میں تمہیں اپنی کہانی سنا رہی ہوں۔"

"اچھا میری سنو! جب میں کچھ بڑی ہوئی تو میری سولہ سالہ بہن ایک بابے کے ساتھ بھاگ گئی۔"

"بابے کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ چھیل چھبیلی بہن ہی لے کر بھاگی ہوگی نا۔ تم تو کہتی تھیں کہانی بڑی دکھی ہے جبکہ یہ تو اندھے عشق کی داستان ہے۔ وہ پہلا الو کا پٹھا چھ بچوں کی ماں پر فدا ہو گیا اور ادھر نوخیز عمر کی لڑکی ایک بابے پر مر مٹی۔"

"بس جی پھر میرے ابے کا عورت پر سے اعتبار اٹھ گیا۔"

"حالانکہ اس کا اعتبار عورت کی عقل پر سے اٹھنا چاہیے تھا۔" شبلی بڑبڑایا۔

"کم بختی آئی میری اور مجھ سے بڑی بہن کی۔ ابا بڑے ظلم توڑتا تھا ہم پر۔ کہتا تھا تم بھی ایک دن بھاگ جاؤ گی' بس اسی لیے اس نے مجھ سے بڑی بہن کی شادی اس وقت کردی جب وہ تیرہ سال کی تھی۔"

"اور دولہا؟" شبلی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"دولہا! ہونہہ چھوارے جیسی شکل والا' غربت کا مارا' بس ابے کو تو میری بہن کو بیاہنے کی جلدی تھی۔ میری بہن نے پانچ سال رو دھو کے گزارے اس کے ساتھ' پھر اسے چھوڑ کر پھر اپنی پسند کی شادی کرلی' ابا کو یہ بھی گوارا نہیں تھا' مجھ پر تو ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ادھر میں چودہ سال کی ہوئی' ادھر ابا نے میری بھی شادی کردی اور مجھے اب پتا چلا دنیا جہنم کیسے بنتی ہے۔ بچی بڑا ہی ظالم ہے میرا گھر والا۔ کمائی بھی میں ہوں اور مار بھی میں ہی کھاتی ہوں۔ بات بات پر قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ میرے باپ کی طرح ہی شکی مزاج بھی ہے۔"

"بات بات پر قتل کی دھمکی' یعنی آپ فرماتی ہیں آج میں نے قیمے کے پراٹھے بنائے ہیں' وہ آنکھیں لال کر کے فرماتے ہیں۔ چپکی بیٹھی رہو قتل کردوں گا۔" شبلی نے گہری نظر سے جانچتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ بات نہیں' تمہارا مطلب ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" وہ برا مان گئی۔

"پھر وضاحت کرو نا؟"

"پھر بھی سہی' تم سموسے کھاؤ۔ یہاں سموسے بڑے اچھے ملتے ہیں۔" شبلی نے حیرت سے اپنے اور اس کے درمیان تپائی میز کو دیکھا جس پر چائے کے صرف دو کپ دھرے تھے۔

"خاتون! مجھے لگتا ہے میری نظر کافی کمزور ہو رہی ہے۔ سموسے تک نہیں دیکھ پا رہا اور سونگھنے کی حس بھی دھوکا دے گئی ہے۔ خوشبو تک نہیں آرہی۔"

"سموسے منگواؤ گے تب نا!" وہ معصومیت سے مسکرائی۔

کچھ بھوک تو محسوس ہو رہی تھی۔ شبلی نے آرڈر دے دیا۔ چار سموسے آئے' جن میں سے تین زرینہ کوڑے نے فوراً اپنی پلیٹ میں منتقل کرلیے۔

"آپ سموسے کھا کر جان بناؤ' میں جا کر اپنی مریضہ کو دیکھوں۔" شبلی اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت شکریہ تمہارا' کل رات سے بھوکی ہوں۔ جیب میں اتنے پیسے بھی نہیں کہ ایک پیالی چائے ہی اندر انڈیل لیتی۔" اور شبلی نے یہاں کام کرنے والے چھوٹے کو بلا کر بل ادا کردیا۔

جب وہ زیبا کے روم میں آیا تو جوادی' طوبیٰ کے ساتھ آچکا تھا۔ زیبا ابھی سو رہی تھی۔

"کھانا بنا کر لائی ہوں' کھا لیجیے۔" طوبیٰ نے اس سے کہا۔

"تم کہاں گئے تھے یار! حالانکہ میں تو سوچ رہا تھا' چوکھٹ پکڑ کر بیٹھ جاؤ گے۔"

"ادھر ہی تھا یار! یہ سو گئی تھی۔ میں نے سوچا کینٹین چیک کرآؤں۔"

"باجی ٹھیک تو ہیں نا؟" طوبیٰ نے پوچھا۔

"بالکل' ایک دم ہی ٹھیک۔ میرا خیال ہے کل تک چھٹی مل جائے گی۔" شبلی نے بشاشت سے کہا۔

"شکر ہے اللہ کا ہم سب تو بہت پریشان ہوگئے تھے۔ میں رات کو باجی کے پاس رہوں گی' آپ دونوں بھی گھر جا کر آرام کریں۔"

"اہونہہ پھر ساری عمر کے لیے زیبا کے طعنے سنوں کہ میری خاطر ایک رات کی نیند بھی قربان نہیں کرسکے۔"

"نہیں بھائی! میں بتاؤں گی باجی کو۔ آپ نے کتنا خیال رکھا ہے ان کا۔"

"چھوڑو منی! تم دل والوں کی باتیں نہیں سمجھو گی۔ اسے یہیں رہنے دو۔" جوادی ہنسا تھا۔

دروازے پر زوردار دستک ہوئی پھر آواز آئی۔

"میں کیا جی جاگ رہے ہو یا سو گئے ہو؟" (میں نے کہا جاگ رہے ہو یا سو گئے ہو۔)

ہم پیار میں جلنے والوں کو ہائے
چین کہاں' آرام کہاں

جوادی شبلی کو دیکھ کر گانے لگا تھا۔

"جاگ ای رہیں آں جی لنگ آؤ۔"

شبلی نے جوادی کے گیت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا۔ ایک صحت مند پچاس پچپن سالہ خاتون کا کھلکھلاتا چہرہ پوری آب و تاب سے دکھائی دینے لگا۔ "یا اللہ خیر' ہسپتال میں ایسی مسکراہٹیں۔ لگتا ہے کوئی بڑا سانحہ بیتا ہے' دماغ ٹھکانے نہیں رہا۔" شبلی نے تبصرہ کیا۔

"نہیں نہیں مٹھائی کا ڈبہ بھی پکڑ رکھا ہے۔"

جوادی کی بات پر خاتون نے باریک سی آواز میں قہقہہ لگایا لیکن اختتام تک پہنچتے آواز کی ٹون بتدریج بھاری ہوتی گئی۔

"ماشاء اللہ۔ لگتا ہے اس قہقہے کے پیچھے برسوں کی ریاضت ہے۔" دونوں نے اس فن کی داد دی۔

"مبارکاں ہووی مجھے۔" خاتون لہک کر بولیں اور کمرے میں آگئیں۔

"کیوں' آپ کی ہونے والی ساس آج منگنی کی کوٹھی چڑھ گئی ہے۔" جوادی ان کی عمر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جھٹ سے بولا تھا۔

"مخول کرتے ہو خالہ کے ساتھ۔" پھر سے وہی قابل توجہ قہقہہ برآمد ہوا۔

پھر مٹھائی ان کی جانب بڑھائی۔

"پوتا ہوا ہے میرے گھر' دادی بن گئی ہوں میں۔" ایک فخر سے سر اٹھا کر اعلان کرنے کے انداز میں کہا۔

"میری دادی کے دو پوتے ہیں لیکن قہقہے اس نکھار سے خالی ہیں۔ آپ کے ہاں کیا دنیا سے نرالا پوتا آیا ہے؟" شبلی نے اکٹھی دو گلاب جامنیں اٹھاتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"پورے چھ سال کے بعد پیدا ہوا ہے کرماں والا۔ میں تو مایوس ہو چلی تھی۔ پتر کا دوسری جگہ رشتہ تک پکا کر دیا تھا۔ پر جی اللہ حیاتی دے میرے پیر صاحب کو' ان کی کرامت سے بہو کی گود ہری ہوگئی۔"

"تو چھ سال سے پیر صاحب سو رہے تھے' پتر کا دوسری جگہ رشتہ پکا ہو گیا۔ بڑی بہو کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ آشیاں لٹنے کے قریب آگیا۔ ادھر دوسری کے ہاں جہیز کا سامان اکٹھا ہونے لگا کہ اچانک پیر صاحب کو کرامت دکھانے کی سوجھ گئی۔ کمال ہے جی۔" شبلی کو جیسے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"پہنچے ہوئے لوگ ہیں' ہم گناہ گار کیا جانیں ان کی باتیں۔ پانچ سال میں نے چڑھاوے چڑھائے ہاتھ جوڑے پیر صاحب کے آگے' تب کہیں انہوں نے نظر کرم کی ہے۔ اللہ حیاتی دے میرے سوہنے پیر کو۔"

"اس سے آدھی نذر نیاز تم کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر کو دیتیں تو انتظار نہ کرنا پڑتا۔ پہلے سال ہی پوتا آنگن میں کلکاریاں مارنے لگتا اور آج پریپ کا ہونہار اسٹوڈنٹ ہوتا اور اپنی زندگی میں ہی تم اس کے سر پر سہرا سجا کر ایک اور بہو کے سینے پر مونگ دلنے کا انتظام کرسکتیں۔"

"چل چھوڑ جوادی! اگر یہ سب ہو جاتا تو آج ہسپتال میں یہ لذیذ مٹھائی کیسے بٹتی۔" شبلی نے ایک برفی کا ٹکڑا منتخب کیا۔

"واقعی بھئی' رب کی رب جانے' کہاں کہاں ہمارا رزق رکھ چھوڑا ہے۔" جوادی نے رس گلا اٹھا لیا اور طوبیٰ نے بھی ان کی دیکھا دیکھی انصاف کی سوچ سے ہاتھ دوبارہ سے بڑھایا۔

خاتون ایک جوش کے ساتھ بتاتی رہیں۔ "پوتا چن کا ٹوٹا ہے' بالکل دادا پر گیا ہے' وغیرہ۔" جب مٹھائی کے ڈبے پر نگاہ پڑی تو چہرے کا رنگ بدل گیا' مزید حملے

سے بچنے کے لیے کمرے سے نکل گئیں۔

"واہ واہ۔ انڈے بچے دینے والے پیر! تیرے قربان جاؤں۔" جوادی جھوم جھوم کے مٹھائی کھا رہا تھا۔

"چل ایک چکر زچہ بچہ وارڈ کے باہر لگا آتے ہیں۔" شبلی نے مشورہ دیا۔ طوبیٰ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"کبھی کبھی بلڈ دینے کی ضرورت بھی پڑ جاتی ہے۔" شبلی نے گھبرا کر کہا اور طوبیٰ کے قہقہے رکنے میں نہیں آ رہے تھے۔

"چلو جی، چلو فالتو لوگ کمرے سے باہر نکلو۔ ڈاکٹر صاحب راؤنڈ پر آ رہی ہیں۔" زرینہ کوثر تسنیم صاحبہ آنا "فانا" کمرے کا دروازہ دھاڑ سے مارتے اطلاع دے رہی تھیں۔

"فالتو مگر ہم تینوں ہی اپنی اپنی جگہ نہایت کار آمد ہیں۔"

جوادی نے آنکھیں پٹپٹائیں۔ زرینہ کوثر تسنیم نے آؤ دیکھا نا تاؤ، بازو سے پکڑ کر اچانک کھینچا اور کمرے سے باہر کر دیا پھر یہی سلوک طوبیٰ کے ساتھ ہوا۔

"ہوئے ہوئے، کتنے بھاری ہو، بازو ٹوٹ گیا میرا۔" جوادی پر آنکھیں نکالیں۔

"لیکن پاؤں بھاری نہیں ہے۔" اطلاع دی۔

"مخول نہ کرو، ڈاکٹر صاحبہ بڑے گرم مزاج والی ہیں۔ کیوں میری نوکری کے پیچھے پڑے ہو، ادھر چل کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"او ہو، ایک تو اماں تمہارا مٹھائی بانٹنے کا پروگرام ختم ہونے میں نہیں آ رہا، کیوں ہمارے مریض مارنے کا ارادہ ہے۔ ہزار دفعہ کہا ہے مریضوں کو پرہیزی غذا دی جاتی ہے، تم سنتی نہیں ہو پھر الزام ہسپتال پر آ جاتا ہے جی کہ ڈاکٹروں کی نااہلی سے مریض فوت ہو گئے۔" زرینہ بولتی ہوئی خالہ قہقہہ باز کے پیچھے لپکی تھی۔

"دیکھو ذرا ان کی انگلی ٹیڑھیاں۔ سارا دن جیسی چاہے دھما چوکڑی مچی رہے، بس ڈاکٹر کے آنے سے پہلے جن پھر جانے والا سناٹا ہونا چاہیے۔" جوادی نے افسوس سے سر ہلایا۔

"ہسپتال کے چکروں سے اللہ بچائے۔" طوبیٰ نے بھی افسوس سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

زیبا کے لیے طوبیٰ گھر سے کھچڑی بنا کر لائی تھی لیکن وہ کھانے کو مان نہیں رہی تھی۔

"کھاؤ گی نہیں تو بڑی کیسے ہو گی؟" شبلی نے فکر مندی سے ٹی وی پر چلنے والے ایڈ کی نقل اتاری۔

زیبا نے گھور کر دیکھا اور بولی۔

"تمہارا دل چاہ رہا ہے تو تم کھا لو۔"

"میں ایویں کھا لوں۔ مجھے تو دوپہر کی طرح رات کو بھی مس زرینہ کوثر تسنیم نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔"

"تم میری تیمارداری کے لیے نہیں، نرسوں سے دوستیاں بنانے کے لیے ادھر آئے ہو۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں تو برائی کیا ہے؟"

"جواد بھائی! اسے سمجھاؤ، مجھے ایسے مذاق بالکل پسند نہیں۔"

"تو مذاق کون کر رہا ہے۔ کمال ہے میری سیریس بات کو بھی مذاق کہتی ہو۔"

"یہاں سے قریب ہی دو بڑے اچھے فوڈ کورٹ ہیں تمہیں کچھ اچھا سا لا دوں۔" جوادی نے پچکارا۔

"مثلاً۔" زیبا بھی جھٹ رضامند ہو کر پوچھنے لگی۔

"باجی! امی کو پتہ چلا تو ڈانٹ مجھے ہی پڑے گی، یہ کھچڑی کھا لو۔" طوبیٰ نے دہائی دی۔

"جوادی! مس زیبا کے لیے سری پائے کا چائنیز سوپ بنوا لاؤ۔ اگر اسے چائنیز پسند نہیں تو اٹالین بنوا لاؤ لیکن ہو سری پائے کا کیونکہ اس کی خاص تاثیر ہے۔" شبلی کے کہنے پر طوبیٰ مذاق سمجھنے کے باوجود وضاحت چاہنے لگی۔

"بھئی سری کھا کر ہمارا سر نہیں کھائے گی اور پائے کھا کر جلد چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گی۔" طوبیٰ کو سمجھا کر زیبا کی طرف مڑا اور بولا۔

"اب جلدی سے یہ کھچڑی کھاؤ ورنہ میں بلاتا ہوں، ٹومولو پوتے کی دادی کو۔ کہتا ہوں بلائے اپنی کرامات والے پیر کو۔"

"میں کسی پیر کو نہیں مانتی، سب جھوٹے فراڈی۔"

"دادی! پیر کے قہر سے ڈرو، وہ اگر انڈے بچے دینے میں کمال رکھتا ہے تو لڑکی کو بکری بھی بنا سکتا ہے۔"

"پیر کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی مریدنی کو بلا کر ایک تعویذ لکھوا دو، لڑکی اڑیل بن کرنے کی بجائے مسکین بکری بن کر سب کھانے لگے گی۔"

جوادی کی بات پر طوبیٰ نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی۔

"ہاں باجی! بڑے ہی عجیب انداز میں ہنستی ہیں وہ۔ آپ کھانا کھاؤ، میں بلا کر لاتی ہوں۔"

"اف کیا زبردست دھمکی ہے۔ نہیں، ایسا غضب مت کرنا۔" دونوں چلائے تھے۔

وہ غصے میں کھچڑی کھانے لگی۔

دھاڑ سے دروازہ کھول کر مس زرینہ کوثر تسنیم داخل ہو ئیں۔

"شکر ہے کچھ کھا ہی تو رہی ہو اور وہ ڈاکٹر صاحبہ سے کیا رشتہ داری ہے۔ کہہ رہی ہیں خاص خیال رکھنا تمہارا؟"

"کون سی ڈاکٹر؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم دواؤں کے اثر میں تھیں، آئی تھیں ایک خاندان جنات کی رکن۔" شبلی نے بتایا۔

"یہ تم لوگ ہر وقت مریضہ کے کمرے میں کیوں گھسے رہتے ہو۔ جی نہیں گھبراتا تمہارا۔ جوان منڈے ہو، باہر نکلو گھومو کھیلو۔"

"جان پیاری ہے، جان پڑی ہے، ہم تڑپنے کھیلنے کو کہتی ہو ظالم!" شبلی جذباتی ہوا، زیبا نے گھور کر دیکھا۔

"چلو جلدی آؤ، کمرے میں زیادہ لوگ ہوں تو آکسیجن کم ہو جاتی ہے۔ یہ مریضوں کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔"

اور دونوں باہر آ گئے۔

"چلو چل کر کھانا کھاتے ہیں۔" زرینہ ان کے برابر چل رہی تھی۔

"وہ تمہاری ساتھی چڑیل نرسوں نے ڈاکٹر سے تمہاری شکایت لگائی تو؟" شبلی نے اس کی کسی بات یاد دلائی۔

"او ہو، میں کوئی چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر تھوڑا ہی رہتی ہوں۔ آف کر کے جا رہی ہوں، پر جاؤں کہاں، مجھ بدنصیب کے لیے کہیں کوئی ٹھکانا بھی تو نہیں۔ وہ ایک نام کا گھر، جہاں منحوس میری مار لگانے کے انتظار میں بیٹھا ہو گا، بہانہ چاہیے اسے تو۔"

"تم اپنا کمالی ہو، خود مختار ہو، کیوں کھاتی ہو اس کی مار۔" جوادی نے کچھ حیرت سے کہا۔

"تمہیں کیا پتا۔ مرد ہو، کہاں سمجھ سکتے ہو عورت کب خود مختار ہوتی ہے۔ مرد کا ساتھ ہر قدم پر ضروری کر دیا گیا ہے اس کے لیے اور مرد اسی کا فائدہ اٹھاتا ہے۔"

وہ کھانا کھانے کے دوران بھی اپنے دکھ بھرے قصے سناتی رہی پھر زخمی مسکراہٹ کے ساتھ الوداع کہہ کر چلی گئی۔

کھانا خاصا پر تکلف منگوایا گیا تھا، خیر کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ دادی نے خاصی رقم دی تھی انہیں۔

"زرینہ کے لیے کچھ کرنا ہو گا۔"

کھانا کھا کر بھی وہ کمرے میں نہیں گئے، باہر نکل آئے۔ ہاسپٹل کی عمارت کے سامنے اور پچھلے حصے میں کھلے پلاٹ تھے، جہاں گھاس اور پھول لگائے گئے تھے۔ تیمارداروں کی اکثریت یہاں دکھائی دیتی تھی۔ باتیں کرتے وہ بھی ادھر نکل آئے۔

"ہمارے معاشرے کی عورت بڑی ہی کمزور ہے یار! اور یہ ہم مردوں کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اپنے سے طاقت ور کو دیکھ کر دبک جاتے ہیں اور کمزور پر دھاڑ کر سر اٹھا کر چلتے ہیں۔"

"شکر ہے، میرا شمار ایسے نا ہنجار مردوں میں نہیں ہوتا۔" جواب میں جوادی نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

"یہ سب اللہ کا کرم ہے ورنہ اس کے صیغہ قدرت میں کیا نہیں ہے" وہ زرینہ کوثر تسنیم کے شوہر

کے عہدے پر تمہیں بھی فائز کر سکتا تھا اب جبکہ کوئی بیوی تمہارے پنگل میں ہے ہی نہیں تو ظلم ڈھاؤ گے کس پہ؟"

"میں گھر جا رہا ہوں، تم زیبا کے روم کے باہر کرسی وچھا (بچھا) کے جلوہ افروز ہو جاؤ اور اکیلے بیٹھے ساری رات الوؤں کی طرح دیدے پھاڑ کر نادیدہ قوتوں کے کرتوت دیکھ کر عش عش کرتے رہو۔" جوادی خفا ہو گیا تھا۔

"ایک سے دو بھلے تو بھی میرے ساتھ کرسی ڈھا (بچھا) لے نا۔" اشبیل نے منانا چاہا۔

جوادی منہ سے کچھ نہیں بولا، اس کے ساتھ ضرور چل پڑا۔

کوریڈور میں پہنچے تو آہوں کا ایک طوفان سماعت سے ٹکرایا۔

"یا اللہ خیر۔" دونوں تیزی سے آگے بڑھے۔ کیا دیکھتے ہیں، زرق برق کپڑوں میں ملبوس ایک جلوس ہے جو تیزی سے اسی طرف آ رہا ہے، قریب آنے پر مزید پتہ چلا کہ دو صحت مند جوانوں نے ایک مرد بسمل کو اٹھا رکھا ہے۔ جس نے گولڈن شیروانی زیب تن کر رکھی ہے اور گلے میں نوٹوں اور پھولوں کے ہار بھی چھب دکھلا رہے ہیں۔ البتہ گھٹنوں سے نیچے پاجامے کا حصہ تار تار ہے اور ٹانگوں سے خون بہہ رہا ہے۔

"ارے یہ کیا تماشا ہے۔ خالہ جی! آہوں کو ذرا بریک لگائیں، بتائیں ہوا کیا ہے۔ کیا ہسپتال آنا آپ کے ہاں خوشی کے لمحات میں شمار ہوتا ہے کہ سب لوگوں نے زرق برق لباس پہن رکھے ہیں اور خواتین تو میک اپ میں بھی لت پت ہیں۔" دونوں نے بڑھ کر معلومات چاہی تھیں۔

"او نہیں وے، کیسی خوشی۔ ہائے وہ ہے ہی منحوس ماری۔ کتنا کہا تھا گلو کے ابا سے نہ کرو اس ڈائن کی بیٹی سے رشتہ، پر میری کبھی سنی ہو جو اب سنتے۔ لو دیکھ لو نتیجہ۔ پڑ گیا نا سیاپا، دشمنوں کے گھر بج رہے ہوں گے خوشیوں کے شادیانے۔"

خاتون جنہوں نے تقریباً "سات آٹھ تولے کے ہار کانٹے لشکار رہے تھے، پچھاڑنے لگیں۔

"تو کیا یہ کسی ڈائن کی کارستانی ہے؟" جوادی نے آنکھیں نچائیں۔

"نحوست کا سایہ پڑ گیا ہے۔" خاتون نے دہائی دی۔

"آپ میں سے نحوست کس کا نام ہے؟" اشبیل نے سب پر نگاہ دوڑا کر مدبرانہ انداز میں پوچھا۔

"تو وہ یہاں تھوڑی ہے، بیٹھی ہے مرے سے منڈی صادق آباد میں۔ انتظار کر رہی ہے برات (بارات) کا۔ لے وٹی اب کر ساری عمر انتظار نیں تو تیرے کی جنج (بارات) لے کر تیرے منحوس مارے دروازے پر نہیں آؤں گی۔"

خاتون نے جس طرح چلا کر کہا تھا، قیاس ہے آواز جنج کے انتظار میں منڈی صادق آباد بیٹھی منحوس ماری تک ضرور پہنچ گئی ہوگی۔

"چنگا بھلا تیار ہو کر کمرے سے نکلا ہے، بڑی بہن نے نظر اتاری ہے، ماے نے بڑھ کر سہرا لگایا ہے اور بھابھی نے سرمہ آنکھوں میں ڈالا ہے۔ ہائے بالکل شہزادہ لگ رہا تھا۔ پر قسمے میرا دل گھبرا رہا تھا۔ لگتا تھا کچھ ہو کر رہے گا۔ سارے شگن بول رہے تھے، میرا جی بڑا ہی مندا ہو رہا تھا۔ اس کے ابے کو بلا کر کہا، اب بھی وقت ہے، کر دے اپنی بہن کو فون۔ ہم اس کی بچی کو ویاہنے نہیں آ رہے۔ وہ الٹا مجھ پر برسنے لگا۔ ایک گھنٹہ ہم دونوں لڑتے رہے ہیں۔ فیصلہ میں اپنی مرضی کا کروا لیتا تھا، پر یہ آج کل کی نسل ہر بات میں ٹانگ اڑاتی ہے۔ پکڑ کے اس کے ابے کو دو لڑکے باہر لے گئے اور لے جا کر بارات کے لیے تیار کھڑی بس میں چڑھا دیا۔ اونچی آواز میں ریکارڈ بجنے لگے اور میری آواز تو بالکل دب کے رہ گئی۔ پھر جی دولہا کو لے کر باہر چلے ہیں تو پتہ نہیں کس بے ہدایت شیطان کے شتونگڑے نے، ویسے مجھے پتہ ہے یہ میری چھوٹی نند کے بچے کی شرارت ہے۔"

"آئے ہوئے بھابھی! خدا کو مانو، خوامخواہ میری معصوم بچے پر الزام دھر دیا۔" مجمع کو چیرتی ایک خاتون جن کی آنکھوں کا کاجل بری طرح پھیل چکا تھا، سامنے

آ گئیں۔

"لگی براں مر کسی ڈائن کی پرچھائیں۔ ہاں تو میں بتا رہی تھی، بچے نے راستے میں پٹاخہ رکھ کر آگ دکھا دی۔ ادھر دولہا کا پیر پڑا ادھر وہ خبیث پٹاخہ چل پڑا۔ بس جی پاجامہ لیروں لیر ہوا ہے۔ ٹانگیں زخمی اور منہ بھی کالا سیاہ ہو گیا تھا۔ ہم جھاڑ پونچھ کر لائے ہیں، کچھ کرو ڈاکٹر صاحب! خون بہہ رہا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب مگر ہم تو ڈاکٹر نہیں ہیں، ان بدروحوں سے ملاقات کے لیے ادھر جانا ہوگا۔"

"اہیں ڈاکٹر نہیں ہو تو خوامخواہ ہمارا ٹیم تباہ کیا۔ پہلے کیوں نہیں بتایا۔ لو بھلا دیکھو ہاں راستہ روک کے کھڑے ہو گئے۔ دیکھ بھی رہے ہیں بچہ زخمی ہے، یہ لوگوں کو تو کہانیاں سننے کا چسکہ ہوتا ہے۔" خاتون بڑبڑا رہی تھیں۔

"بھابھی! تو نے میرے بچے پر الزام دھرا ہے۔ اس کا حساب تجھے دینا ہوگا۔"

"چپ کر نی چلاکو! زیادہ مظلوم نہ بن۔" ہجوم لڑتا جھگڑتا آگے بڑھ گیا۔

"اللہ رحم کرے پاجامہ لیروں لیر ہو گیا۔ ورنہ نیا سلنے میں ٹائم تو لیتے ہیں۔ اتنی دیر انتظار میں بیٹھی ڈائن کی بیٹی کا میک اپ تو ایسا ہو جائے گا کہ ڈائنیں بھی اپنی برادری سے خارج کر دیں گی۔ مجھے اس دلہن سے پوری ہمدردی ہے۔"

"ہاں بھئی نہ ادھر کی نہ ادھر کی۔ جس کی کوئی برادری نہیں رہے گی بھلا خاک زندگی ہو گی اس کی۔ ویسے اتنی ٹائمنگ سے پٹاخے چلانے والے بچے کو تلاش کرنا چاہیے۔ ایسے کاریگروں کی ضرورت تو ہمیں بھی کسی بھی مقام پر پیش آ سکتی ہے۔"

"آئے سنو جی میرے اچھے بھائیو! ذرا میرا کاکا تو پکڑ۔" اسی مجمع کی ایک رکن آتشی گلابی غرارے میں ملبوس ان کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"کاکا آپ کا پکڑیں ہم اور بعد میں آپ ہم پر اغوا کا پرچہ کٹوا دیں۔ نا جی نا۔" دونوں نے شانے اچکائے۔

"او ہو نہیں نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ادھر میری ماں یعنی دولہا کی اماں کی اپنی نند سے لڑائی ہو رہی ہے تو شور سے یہ ڈرتا ہے۔"

"بہتر یہی ہے کہ آپ بھی جنگ بندی کا انتظار کریں، کچھ دیر کے لیے اپنے لخت جگر کے ساتھ ادھر ہی تشریف رکھ لیں۔"

"تو خوامخواہ ایسے موقع زندگی میں بار بار تھوڑی آتے ہیں۔ لڑائی عروج پر ہے، اب پکڑ بھی لو۔" پھر سے بچہ ان کی جانب بڑھایا۔

"اسے بھی ساتھ لے جائیں، لڑائی دیکھے گا تو ہی لڑنا سیکھے گا نا! اسے دور دور رکھیں گی تو بزدل ہو جائے گا۔"

بات خاتون کے جی کو لگی، اونچی ہیل پر سوار ایک ہاتھ سے کاکا ایک ہاتھ سے غرارہ سنبھالتی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔

"ہم بھی چلیں۔" جوادی نے تجویز رکھی۔

"تم دیکھ آؤ، آ کر حال احوال سنا دینا۔ میں ذرا زیبا کو بھی دیکھ لوں۔ پتہ نہیں اکیلی بیٹھی کیا کیا سوچ رہی ہوگی۔" اشبیل زیبا کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

صبح زیبا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اشبیل پریشانی کے عالم میں ڈاکٹر تنویر کے کمرے تک آیا تھا۔

دستک کے جواب میں انہوں نے اندر آنے کی اجازت دے دی تھی، جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہاں ڈاکٹر تنویر کے ساتھ ساتھ زرینہ کوثر تسنیم بھی موجود تھی اور ایک پرتکلف ناشتا دونوں کے درمیان رکھا تھا۔ اشبیل نے جا کر زیبا کے بارے میں بتایا۔ ڈاکٹر صاحب کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"یہ بات کہنے کے لیے آپ براہ راست میرے کمرے میں چلے آئے ہیں؟"

"او ہو! ڈاکٹر صاحب! پرائیوٹ روم والے ہیں، بڑے ہی اچھے لوگ ہیں۔" زرینہ کوثر تسنیم نے کہا اور اس کی بات کا اثر تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی پیشانی کے بل جاتے رہے۔

دوپہر میں ان کے ساتھ لنچ کرتے ہوئے زرینہ نے بتایا۔
"ڈاکٹر صاحب دل کے برے نہیں ہیں۔ گھریلو حالات سے تنگ ہیں۔ میں دلجوئی کرتی رہتی ہوں۔ میری بڑی قدر کرتے ہیں۔ تم ان کی کسی بات کا برا نہ ماننا۔ میں نے سمجھا دیا ہے انہیں' اب وہ تمہاری مریضہ کا پورا خیال رکھیں گے۔ ویسے بھی گھبرانے والی بات نہیں' وہ ٹھیک ہے۔ تمہارے گھر کی عورتیں بڑی سلیقہ مند لگتی ہیں۔ کھانا بڑا اچھا بنا ہے۔"
اس نے چوتھا کوفتہ اٹھا کر منہ میں رکھا تھا' جس پر جوادی کی نظر تھی' للذا تلملا کر رہ گیا۔
"آئے ہائے' ان اللہ ماریوں کو دیکھو' سوئے منڈے میرے ساتھ کیا بیٹھ گئے' جلاپے سے جلی جارہی ہیں۔ ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کے ادھر کے چکر لگا رہی ہیں۔"
"کون' کن کی جانب اشارہ ہے؟"
اشبیل نے اِدھر اُدھر دیکھا تو نظر دو مریل سی نرسوں پر پڑی۔
"یہی مرن جوگیاں۔ شکلیں نہیں دیکھتیں' بس مجھ سے جلتی رہتی ہیں۔ نایہ بوتھیاں اس قابل ہیں کہ کوئی ایک کے بعد دوسری نظر ڈالنے کی غلطی کرے۔ سڑی رنگ کالے دل' ہونہہ۔"
"اچھا تو یہ تمہاری جاسوسیاں کر رہی ہیں۔" دونوں نے اب کے اِدھر اُدھر بغور جائزہ لیا لیکن ان کے دو کے علاوہ اور کوئی دکھائی نہیں دی اور وہ بھی یہاں کی نہیں تھیں' آگے بڑھ گئی تھیں۔
"ہاں اور نہیں تو کیا' تم یہاں کی سیاستوں کو نہیں سمجھتے۔ ہر بندہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش میں ہے۔ یہ ڈاکٹر تنویر بے چارہ ایک لیڈی ڈاکٹر کو پسند کرتا تھا' پر ان لومڑی کی فطرت والیوں نے ایسی آگ لگائی کہ اب دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔ اینٹ کتے والا بیر ہے' ڈاکٹر دوسری جگہ شادی کر چکا ہے اور وہ لیڈی ڈاکٹر صاحبہ بھی منگنی کروا بیٹھی ہیں۔"

"کانوں کے کچے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے' اب روئیں گے ساری عمر۔"
"تم کیوں دانت پیس رہی ہو' زبان درمیان میں آگئی تو کون اتنے سلیقے والی گفتگو کرے گا۔" جوادی نے توجہ دلائی۔
"بس جی کیا سناؤں۔ کبھی کبھی تو بس بول لیتی ہوں ورنہ چپ کا تالا پڑا رہتا ہے میرے ہونٹوں پر اور وہ میرا گھر والا اس نے کہا ہے' فوراً" تین ہزار روپے کا انتظام کر کے دوں' ورنہ اپنی ہڈیاں تڑوانے کے لیے تیار ہو جاؤں۔"
"گھر کدھر ہے تمہارا؟" جوادی نے پوچھا۔
"ادھر پیچھے نرسوں کو کوارٹر ملے ہوئے ہیں۔ ادھر ہی رہتی ہوں۔ پر تم کیوں پوچھ رہے ہو' گھر جانے کا کیا فائدہ۔ میں تو سارا دن ادھر ہی ہوتی ہوں۔ ادھر میرا نکھٹو میاں ویلا نکما پلنگ توڑتا ہے۔"
ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ زرینہ کوثر تسنیم کا موبائل مخصوص شوخ سی ٹون میں بجنے لگا۔
"ہاں ہیلو' او ہو! آئے ہائے کیسی ذرا ذرا سی بات کے لیے مجھے پریشان کرتی ہو۔ کچھ اپنی عقل بھی استعمال کرو نا۔ میں نے بھلا کب روکا ہے' کہہ دو کے آنے سے پہلے ہو جائے گا سب تیار' میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ جم جم آؤ' چاہے مہینہ بھر رہو۔ ہاں ہاں اسے فون کر کے سمجھا دو۔"
کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں پھر آہ بھر کر ان دونوں کو دیکھا' موبائل میز پر پٹخا اور بولی۔
"ایک نیا خرچا' غریب کی بھی بھلا کوئی زندگی ہے۔ بہن کا فون تھا' آ رہی ہے اپنے تین بچوں کے ساتھ میرے گھر پر۔ یہ نہیں سوچتی' میں غریب چند ہزار کمانے والی نرس کدھر سے پورا کروں گی اور وہ میرا میاں' وہ بھلا برداشت کرتا ہے میرے رشتہ داروں کو۔ اس نے دن رات اپنے دوستوں کی محفلیں جو سجائی ہوئی ہیں گھر پر۔ اب بہن کے سامنے بے عزتی کرے گا نکھٹو!"
اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا پھر کچھ دیر بعد یہ کہہ

کر چلی گئی۔
"ذرا وارڈ کا چکر لگاؤں' یہ مریض بھی نا ادھر آکر نخرے کا کے بن جاتے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

اس کے جانے کے بعد دونوں ادھر ہی بیٹھے رہے پھر اٹھے تو رخ نرسوں کی رہائش گاہ کی جانب تھا اور جلد ہی وہ زرینہ کوثر تسنیم کے کوارٹر کے سامنے تھے۔ بدرنگ دروازہ' میلی دیواریں' گھر کے آس پاس کوڑے اور سوکھے پتوں کا ڈھیر۔ پوری لائن میں سب سے برا حال اسی گھر کا تھا۔
"دروازے پر تالا نہیں ہے' لگتا ہے وہ اندر ہی ہے۔ تیار ہو جاؤ۔" اشبیل نے کہا۔
دھڑ۔۔ دھڑ۔۔ جوادی نے بری طرح دروازہ پیٹ ڈالا لیکن دروازہ نہیں کھولا گیا' انہیں پھر یہ عمل دہرانا پڑا۔ اندر سے چاپ ابھری۔ دونوں دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔
دروازہ کھلا' ہاتھ میں بیلن اور چھری پکڑے ایک منحنی شخصیت سامنے آئی۔
"میں بیوی کمائیاں کر کر کے ادھر موٹی ہو رہی ہے' ادھر عیش ہو رہے ہیں۔ خوراکیں کھائی جا رہی ہیں۔" جوادی نے گردن پر ہاتھ ڈالا۔ شبلی نے بیلن اور چھری لے کر دور پھینک دی۔ اس کے بعد دونوں نے دھنائی بھی کی اور دھمکی دی۔ آئندہ زرینہ کوثر تسنیم کی زندگی میں تاریکیاں بھرنے کی کوشش کی تو ہم شکل گم کروا دیں گے' جب وہ واپس پلٹ رہے تھے تو پیچھے سسکیاں ابھر رہی تھیں۔
"دیکھو ذرا' بیٹے کو آوازیں تو ایسے نکل رہا ہے جیسے اس سے زیادہ مظلوم اور کوئی نہیں ہے۔ خیر اب زرینہ کو ستانے سے پہلے سو مرتبہ سوچے گا۔"

☼ ☼ ☼

شام کو نانا ماموں اور جوادی' شبلی کی والدائیں بھی زیبا کو دیکھنے اس کا حال پوچھنے آئیں۔ وہ دونوں تو اس کے پاس کمرے میں بیٹھی رہیں۔ نانا ماموں ہسپتال کے

ٹور پر نکل گئے پھر اس شام زیبا کو ڈسچارج بھی کر دیا گیا۔
"کتنی جلدی بیت گئیں ملن کی یہ گھڑیاں۔" شبلی' زیبا سے کہہ رہا تھا۔
"کوئی پابندی تھوڑا ہے' تم آتے رہنا۔" زیبا کی بات پر وہ اچھل پڑا۔
"واقعی' بھئی بیماری نے تمہاری مزاج پر بڑا اچھا اثر ڈالا ہے۔"
"ہاں ہاں' وہ ملنے سے انکار تھوڑا ہی کرے گی۔" زیبا نے تیکھی نگاہ ڈال کر تیزی سے کہا۔
"کون' کس کی بات کر رہی ہو؟" شبلی حیران ہوا۔
"وہی جس کے ساتھ لنچ ہوتے تھے۔ چائے پی جاتی تھی۔ اسی کے ملن کی گھڑیاں بیت جانے پر افسردہ ہونا!"
"خدا کو مانو لڑکی!" حیران پریشان ہو کر شبلی نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیے۔
"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں' جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔"
"جی جی' اس کا اندازہ تو مجھے آج ہو گیا ہے۔ ویسے گھر جا کر سوپ شوپ پیو۔ فروٹ کھاؤ' صحت بحال ہوگی تو شاید سوچ سمجھ بھی بہتر ہو جائے۔ اس وقت تو جو کڑیاں آپ نے ملائی ہیں' میرا سر گھوم رہا ہے' میں تو عش عش کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔"
"ہونہہ!" زیبا نے سر جھٹکا اور بیڈ سے اتر کر دوپٹہ سر پر اوڑھنے لگی۔
وہ کہتی رہی "کامی کو فون کر دیتی ہوں' امی اور وہ مجھے آکر لے جائیں گے۔" لیکن شبلی اور جوادی اسے گھر تک چھوڑ کر آئے۔
خالہ تو بیٹی کو صحت مند دیکھ کر اور ساتھ ان دونوں کو دیکھ کر نہال ہو گئیں۔
جھٹ کامی کو قریبی بازار دوڑایا' وہ گرما گرم سموسے اور تازہ' چاکلیٹ کیک لے کر آیا۔ طوبیٰ نے چائے بنائی۔
دونوں نے دل کھول کر تعریفیں کرتے ہوئے ناشتے سے انصاف کیا۔ اس دوران بھی زیبا ہونٹوں پر چپ کا

نالا لگا کر بیٹھی رہی۔ اس نے صرف چاٹ کھائی پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔
شبلی نے جوادی کی طرف صرف دیکھا، کہا کچھ نہیں۔ ضرورت بھی نہیں تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کی ہر زبان سمجھتے تھے۔ جوادی نے ایک دلچسپ قصہ چھیڑ دیا۔ حاضرین سب بھلا کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ انہیں پتہ بھی نہیں چلا کب شبلی درمیان میں سے اٹھا اور زیبا کے کمرے میں چلا گیا۔
وہ بیڈ پر بیٹھی کسی سوچ میں گم خالی دیوار کو تکے جا رہی تھی۔
"کیا یہ یوگا کا نیا انٹروڈیوس ہونے والا آسن ہے؟" شبلی جا کر بیڈ پر اس کے برابر بیٹھ گیا تو وہ چونکی۔
"کیوں آئے ہو میرے کمرے میں؟ تمہیں پتہ ہے مجھے یہ پسند نہیں اور ابھی تو بہت خفا ہوں گی۔"
"امی اس وقت داستان امیر حمزہ سن رہی ہیں اور میں تمہیں کچھ بتانے، کچھ سمجھانے آیا ہوں۔"
"میں تمہیں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، اب کچھ بتانے کی کیا ضرورت ہے شبلی! تم بھی بالکل عام سے مرد ہو، جہاں جس عورت نے شہہ دی، سوچا ٹائم پاس کرنے میں کیا حرج ہے اور چل پڑے اس کے پیچھے پیچھے۔ قصور تمہارا بھی نہیں، ہمارے آس پاس ایسی ہی خصوصیات کے مرد پائے جاتے ہیں۔ بس میں نے تمہیں ذرا بلندی پر فائز کر دیا تھا۔"
شبلی نے جواب میں زرینہ کوثر تسنیم کی دکھ بھری زندگی کا ایک ایک باب کھول کر رکھ دیا۔ جوں جوں وہ بتاتا جاتا تھا، توں توں زیبا کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں ہوتے جاتے تھے۔
"تم نے یہ سب مجھے ہسپتال میں کیوں نہیں بتایا؟ میں تو اس بے چاری سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی تھی۔ سائے تنی بھول ہوئی مجھ سے۔"
"اس ساری بحث کو چھوڑو، بس مجھے دوبارہ اسی بلندی پر چڑھا کر بٹھاؤ جس سے تم نے اتارا تھا۔" وہ مچل کر بولا تھا۔
"اب تم اس سے زیادہ بلندی پر ہو۔" زیبا نے ایک فخر کے ساتھ بتایا۔
"اللہ رحم کرے اب کے گرا تو ہڈی پسلی بچنے کا امکان نہیں۔ یار! آخر کتنی منزلیں قائم کر رکھی ہیں تم نے؟" اور زیبا ہنس پڑی پھر دونوں دوبارہ سب کے درمیان آبیٹھے، جہاں جوادی کی شعلہ بیانیاں عروج پر تھیں۔
رات کا کھانا کھا کر جب وہ گھر کی راہ پر نکلے تو موسم خاصا خوشگوار ہو رہا تھا۔ کچھ دل کے موسم کا بھی اثر تھا۔ شبلی خوب چہک رہا تھا۔
"صبح سے پھر وہی روٹین شروع ہو جائے گی اور اب تو اسکول کا فنکشن سر پر آ گیا ہے، بہت کام کرنا ہو گا۔"
"نانا ماموں کے ظلموں کا کچھ حساب ہونا چاہیے۔ ایسا کرتے ہیں، چنا چاٹ پر انہیں کھڑا کر دیتے ہیں۔ ایک بار بچپن میں ایک گرلز اسکول کا مینا بازار دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، چنا چاٹ کے اسٹال پر جو استانی صاحبہ جلوہ افروز تھیں دھکم پیل کی تاب نہ لا کر چاٹ کے وسیع و عریض برتن میں گر گئی تھیں۔ منہ سر کپڑے سب لت پت اور پرنسپل ان کے سر پر کھڑی پیسے کے حساب کے لیے چنگھاڑ رہی تھیں۔"
"واقعی یہ بہترین طریقہ ہے، بابی چاٹ کے برتن میں دھکا ہم خود انہیں دے دیں گے یا کسی شاگرد رشید کو بھی یہ کام سونپا جا سکتا ہے۔" جوادی، شبلی کی تجویز سے سو فیصد متفق ہوتے ہوئے بولا تھا۔

☼ ☼ ☼

آنے والے دن بقول شبلی اور جوادی زندگی کے بدترین دن تھے۔ نانا ماموں نے فنکشن کے سلسلے کا ہر کام انہیں سونپ رکھا تھا اور خود بیٹھے بیٹھے چین کی بنسی بجایا کرتے تھے۔
اسکول کے لائق بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے انعامات کا اعلان تھا اور انعام میں دینے کے لیے نانا ماموں جو سوغاتیں لائے، دونوں کے منہ مارے حیرت کے کھل گئے۔
"یہ دو عدد ٹافیاں، ایک پنسل۔ نانا ماموں! بچوں کو ... بیچے۔ وہ پورا ... سن لیے سے توبہ کر لیں گے۔ بچوں کو جیب خرچ ملتا ہے، آپ یہ ..."
"کچھ مت، اب کیا میں اپنی جائیداد ان کے نام منتقل کر دوں۔ چلو انہیں خوبصورتی سے پیک کرو۔"
"پیکنگ دیکھنے سے اندازہ نہیں ہونا چاہیے کہ اندر کیا چیز ہے۔"
"بہت خوب۔" دونوں نے داد دی تھی۔
"اور سنو، چنا چاٹ میں چنے برائے نام ہی ڈلوانا، بہت مہنگے ہیں۔ بس آلو اور املی پر زور دو۔ مرچیں کم رکھنا ورنہ بچے ایک پلیٹ کھا کر دوسری نہیں لیں گے۔"
"پکوڑوں میں بھی پالک اور آلو زیادہ، بیسن بہت کم رکھوانا اور ہاں، آلو بالکل چھوٹے چھوٹے خریدنا، وہ سستے مل جائیں گے۔ اگر باسی آلو پالک مل جائے تو وہ تو بہت ہی سستی پڑے گی۔"
"ایسا کریں نانا ماموں یہ خریداری آپ خود کر لیجیے تاکہ بعد میں گلہ نہ رہے۔"
"ہاں سمجھے! یہ والا کام تو تم کر لو۔ یہ لڑکے بھلا ایسی باریکیوں کا کہاں خیال کریں گے۔" دادی نے بھی یہی مشورہ دیا۔
نانا ماموں نے نفی میں سر ہلایا اور بولے۔
"میری پریشانی تو ایسی ہے کہ دکان دار دس روپے کی چیز بھی بیس کی لگا دیتے ہیں۔ بس صورت سے نوابی برستی ہے نا۔"
"اور ہم تو جیسے فقیر لگتے ہیں۔" دونوں بڑبڑائے۔
"دو روپے والی ٹافی چار کی بکے گی اور اس روز اسکول کی پانی والی موٹر نہیں چلے گی۔ کسی نلکے میں پانی نہیں آنا چاہیے تاکہ بچے زیادہ سے زیادہ جوسز اور بوتلیں خریدیں۔"
"نانا ماموں! ایسا کریں گے دن کے دو بجے کے قریب گیٹ پر تالا بھی لگا دیں گے اور اعلان کر دیں گے، چار بجے سے پہلے نہیں کھلے گا۔ لنچ کے ٹائم پر بچے اسٹالوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔" شبلی نے جل کر کہا تھا لیکن نانا ماموں نے کہا۔
"تجویز قابل غور ہے، واقعی بھوک سے بے تاب ہو کر ہر کوئی اسٹال کی جانب لپکے گا۔"
یہ ... اور ... انداز میں کہا۔ نانا ماموں نے توجہ نہیں دی، بولے۔
"اچھے برانڈ کی ٹافیاں، بسکٹ اتنی بچت نہیں دیتے۔ اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا۔"
"آپ کہیں تو ہم بسکٹ گھر پر تیار کر لیتے ہیں۔"
"جوادی! میں بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں۔" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی تھی پھر کچھ خیال آیا، آنکھیں چمک اٹھیں۔
"اگر سموسے گھر پر تیار کر لو تو بہت بچت ہے اس میں۔"
"نانا ماموں!" دونوں چیخ اٹھے۔
"تمہیں کیا کہا تھا محلے کی عورتوں اور بچوں میں بھی ٹکٹ فروخت کرو۔ میرا خیال ہے تم نے ابھی تک یہ کام بھی نہیں کیا ہو گا۔"
"بھئی یہ بھی سے کیا مراد ہے نانا ماموں؟"
"چلو ٹکٹ اٹھاؤ، نکل جاؤ محلے کے دورے پر۔ کم از کم دو سو ٹکٹ تو فروخت کر کے آؤ۔"
"نانا ماموں محلے والوں کو تو بخش دیں، آخر ہمیں اسی جگہ رہنا ہے۔ لوگ یہ فنکشن اٹینڈ کرنے کے بعد دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔"
"وہ میرا اپنا سوٹ تو استری کروا لائے ہو نا! میں نے آخر کمپیئرنگ کرنا ہے، تمہیں کہا تھا، ایک کتاب شاعری کی اور لطیفوں کی لیتے آنا مگر مجال ہے جو کوئی کام وقت پر ہو جائے۔"
"نانا ماموں! اس عمر میں لطیفے اور شاعری کسی کو متاثر خاک کرے گی۔ لوگ نئے نئے نام ہی دھریں گے، بڑھاپے میں کسی کو متاثر کرنا ہو تو ایک ہی چیز کام آتی ہے وہ ہے دولت کی چمک۔ آپ بس نوٹوں والے ہار منگوا لیں۔"
"تم لوگ اپنے مشورے اپنے پاس ہی رکھو، مت جلا کرو میری پرسنالٹی سے۔" وہ بری طرح تپ گئے تھے۔ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے کہ کتنے ہی کام تو ابھی سرانجام دینا تھے پھر اگر بیٹھے رہتے تو نانا ماموں نے فہرست طویل کرتے جانا تھا۔
"مسڑے ہوئے آلو، باسی پالک، پرانی دال کا بیسن،

ہمیں کس مشن پر لگا دیا جس سے پوچھتے ہیں عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگتا ہے۔ ابھی تو شہر میں فروخت ہونے والے سب سے گھٹیا برانڈ کے بسکٹ اور سوئیٹس کا کھوج لگانا ہے۔"

"ناں بھئی' یہ کام ہم سے نہیں ہوگا۔ ایسا کرتے ہیں تازہ پالک' نئے آلو' اعلا کوالٹی کا بیسن اور میدہ ادھار خرید لاتے ہیں' بعد میں ادھار چکاتے نانا ماموں برسیں گے تو سی کرجڑیاں کھیت چگ چکی ہوں گی۔"

شبلی کی بات پر جوادی نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔

"آج تک ظلم و زیادتی کے خلاف آواز اٹھائی ہے' اب بھی اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔"

اپنی گلی میں داخل ہوتے ہوئے ایک مرد ناتواں کو لنگڑا کر چلتے اور اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھا ضرور' دھیان نہیں دیا۔ جونہی اندر داخل ہوئے' امی نے ٹرے تھما کر کہا۔

"یہ ڈرائنگ روم میں رکھ آؤ۔"

شبلی ٹرے لے کر اندر گیا۔ سوجا ہوا چہرہ لیے کوئی سر ڈالے بیٹھا تھا۔ نقوش جانے پہچانے تھے مگر کہاں دیکھا ہے' یاد نہیں آیا۔ اس نے بھی سر اٹھا کر اوپر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ وہ نانا ماموں کا کوئی ملنے والا تھا۔ شبلی چائے رکھ کر جیسے ہی پلٹا' نانا ماموں چلے آئے۔ یہ دونوں دادی کے کمرے میں آگئے جہاں اس وقت جوادی کی والدہ' بہن نیلو' شبلی کی امی اور دادی سب ہی موجود گاجر کے حلوے اور چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر کے بعد نانا ماموں بھی چلے آئے۔ خاصے افسردہ دکھائی دے رہے تھے۔

"مظلوم ہر طرف سے پستا ہے آپا!" انداز اطلاع دینے والا تھا' سب نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"اب یہ بے چارہ جو آیا بیٹھا ہے' بیوی کے ہاتھوں ستایا ہوا ہے۔ دو سال پہلے ایک حادثے میں زخمی ہوا تھا۔ ایک ٹانگ سے اب تک لنگڑا کر چلتا ہے لیکن پھر بھی بے چارہ کچھ نہ کچھ محنت مزدوری کرتا ہی رہتا ہے لیکن بیوی زبان کی تیز اور منہ پھٹ سی ہے۔ بے چارہ سارے گھر کے کام کرتا ہے' تب بھی خوش نہیں ہوتی اور اب تو اپنے دو عاشقوں سے اس کی پٹائی بھی کروا دی ہے۔ میں نے تو اس روز ہسپتال میں دیکھا تھا اس زرینہ کوثر کو' مجھے دیکھ کر ہی کھسک گئی تھی۔ جانتا جو ہوں اس کو لیکن شوہر سے یہ سلوک کروائی ہوگی پتہ نہیں تھا۔"

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ زرینہ کوثر صاحبہ۔۔۔ وہ جو کوئی بھی ہیں' مظلوم نہیں ہے۔ مظلوم ان کا شوہر ہے۔" جوادی نے گھبرا کر پوچھا۔

"جو مرد معذوری کے باوجود محنت کر کے کمائے' بیگم صاحبہ صبح صبح تیار ہو کر ڈیوٹی کے بہانے نکل کھڑی ہوں اور کبھی ڈاکٹروں اور کبھی دوسرے اسٹاف کو الو بنا کر پیسے بٹورتی ہوں۔ شوہر کو گنتی میں نہ لاتی ہوں۔ الٹا گھر کے کام بھی اسے سونپ رکھے ہوں تو میرا خیال ہے' ایسے میں مظلوم شوہر ہی ہوگا' بیگم صاحبہ تو ہرگز نہیں ہو سکتیں۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ وہ جھوٹے سچے قصے سنا کر لوگوں کو بے وقوف بناتی ہے۔ معصوم لوگوں سے کبھی ناشتا تو کبھی کچھ کروا لیتی ہے۔" شبلی جیسے خواب میں بول رہا تھا۔

"معصوم۔۔۔ بھئی ایسے لوگوں کو معصوم نہیں' چغد کہنا چاہیے۔"

نانا ماموں کی بات پر آج دونوں نے اثبات میں سر ہلائے اور بولے۔

"ٹھیک کہا آپ نے۔ انہیں چغد ہی کہنا چاہیے اور انہیں جوتے بھی لگانے چاہئیں' ان ہی کی شہ پر تو ایسی چال باز عورتیں شیر ہوتی ہیں۔ جیبیں خالی کرواتی ہیں اور غریب شریف شوہروں کو برا بھلا کہتی ہیں۔ وہ احمق جوش میں آکر مظلوم شوہر ہی کی پٹائی کروا لیتے ہیں اور تو اور اسے دھمکیاں تک دے آتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔"

دونوں کورس کے انداز میں بولے جا رہے تھے اور افراد خانہ حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ نانا ماموں تاڑ گئے اور ہاتھ اپنے جوتے کی جانب بڑھا دیا تھا۔